Volume 02, Issue 01,
January-June 2024
PP: 01-11
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X

اسباب ورود حدیث اور اختلاف فقہاء پر اس کے اثرات ایک تعارفی جائزہ

Reasons for the Introduction of Hadith and its Effects on the Differences Between Jurists, An Introductory Review

Hamza Zafar
MPhil Scholar, Department of Quran-o-Sunnah, University of Karachi.
hn92573@gmail.com

Abstract & Indexing

WORLD of JOURNALS
DRJI
OPEN ACCESS
Signatory of DORA
ACADEMIA
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

This study aims to explore the reasons behind the introduction of Hadith literature in Islamic jurisprudence and to analyse its effects on the differences among jurists. The objective is to provide a comprehensive understanding of how Hadith contributed to the development and diversification of Islamic legal thought. This research employs a historical-analytical approach, examining primary sources such as classical Hadith collections and early juristic writings. Secondary sources, including contemporary scholarly analyses, are also reviewed to contextualize the historical development and its implications on juristic discourse. The findings reveal that the introduction of Hadith was driven by the need to preserve the sayings and practices of Prophet Muhammad (ﷺ) as a source of guidance for the Muslim community.

The integration of Hadith into Islamic jurisprudence significantly enriched the legal and ethical corpus of Islam, offering a more nuanced and practical approach to applying Islamic principles. Nevertheless, it also introduced complexities that contributed to the differences among jurists. These divergences underscore the dynamic and pluralistic nature of Islamic legal tradition. Understanding these historical and methodological differences is essential for appreciating the diversity within Islamic jurisprudence.

Keywords

Hadith, Islamic jurisprudence, Juristic Differences, Legal Tradition, Islamic Law, Prophet Muhammad (ﷺ)

Published by:

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تمہید:

اسباب ورود حدیث جہاں حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، وہیں اس پر فقہی احکام مرتب کرنے میں پُر اثر ثابت ہوتے ہیں اور احکامات کی تبدیلی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ مقالہ فقہی احکام پر سبب ورود حدیث کے اثرات کو بیان کرنے کے حوالے سے ہے۔ جس طرح مختلف احادیث سے مختلف احکامات ثابت ہوتے ہیں اور احادیث مختلف ہونے کی وجہ سے فقہاء کی آراء بھی تبدیل ہو جاتی ہیں، ایسے ہی سبب ورود حدیث کے مختلف ہونے سے فقہاء کے آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ایک ہی حدیث سے مختلف احکامات کا استنباط کرتے ہیں، یا ایک ہی حدیث کے ذریعے مختلف حکم لگاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اسی بات کو بیان کیا جائے گا کہ کن صورتوں میں اسباب ورود حدیث فقہی احکام پر کس طریقے سے اثر انداز ہوتے ہیں، اور احکام میں کس طرح کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس مقالہ میں منہج بیانیہ ہو گا کہ احادیث کے اسباب ورود، اور ان کو سامنے رکھ کر علماء کے کیے گئے فیصلے، اور مستنبط کیے گئے احکامات، یا اختلافی مسائل میں اسباب ورود کے ذریعے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف کرنے کو بیان کیا جائے گا۔

- علامہ جلال الدین سیوطیؒ (ت 911ھ) کے مطابق متقدمین میں سے بعض نے سبب ورود حدیث کے حوالے سے کچھ تصنیفات کی ہیں، لیکن وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، جبکہ متاخرین نے اس پر کچھ کام کیا ہے۔ عربی میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اسباب ورود حدیث کے حوالے سے ایک کتاب لکھی ہے،
- علامہ برہان الدین ابراہیم بن محمد حسینی دمشقی (ت 1120ھ) نے بھی اسباب ورود حدیث پر کتاب "البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث" لکھی ہے جو سیف الدین کاتب کی تحقیق کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔۔ برہان الدین حسینی کا یہ اعتراف کہ "اس زمانے میں ہم اس حوالے سے لکھی گئی متقدمین کی کسی تصنیف کو نہیں پاتے"، بھی بتلاتا ہے کہ اس میدان میں زیادہ کام نہیں ہوا۔
- ڈاکٹر محمد رافت سعید نے ایک کتاب "اسباب ورود الحدیث-تاسیس وتحلیل" لکھی۔
- محمد عصری زین العابدین مفتی ولایۃ نے "سبب ورود الحدیث، ضوابط ومعاییر" کتاب لکھی۔
- ڈاکٹر محمد یوسف الشطی نے "الصعود بمعرفۃ اسباب الورود" کتاب لکھی، جس میں اس بات کو بھی بیان کیا کہ متقدمین نے اس فن سے زیادہ اعتناء کیوں نہیں کیا، اس کی وجہ بھی بیان کی۔
- اس کے علاوہ کئی تحقیقی رسالے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے اس موضوع پر لکھے گئے۔

ان علماء نے اپنی اپنی تصنیفات میں سبب ورود حدیث کی تعریف، اس کی اقسام اور مثالوں پر اکتفاء کیا ہے۔ نیز یہ بھی بتلایا کہ فہم السنۃ میں اسباب ورود حدیث کا کیا کردار ہے۔ لیکن اسباب ورود حدیث کی وجہ سے فقہی احکام میں تبدیلی کو اصلاً بیان نہیں کیا ہے، جبکہ فقہ کے باب میں علماء کے اختلاف کی وجوہات کو باریک نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس حوالے سے باقاعدہ کوئی تصنیف نہیں کی گئی، البتہ اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتب میں اس حوالے سے متفرق معلومات موجود ہیں۔

یہ تحقیق ان سوالات کا نتیجہ ہے، دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لیے یہ تحقیق کی گئی ہے۔

1. سبب ورود حدیث کا جاننا کیوں ضروری ہے؟
2. سبب ورود حدیث کا فقہی مسئلہ کی نوعیت اور حکم کی علت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

3. سبب ورود حدیث کی روشنی میں قواعد فقہیہ کون کون سے ہیں؟
4. کیا سبب ورود حدیث کے جانے بغیر احادیث مبارکہ کے درست مفہوم کو سمجھا جا سکتا ہے؟
5. سبب ورود حدیث کا فقہی احکام کے مرتب ہونے پر کیا اثر پڑتا ہے؟

اس تحقیق کا مقصد مثالوں کے ساتھ اس چیز کو واضح کرنا ہے کہ سبب ورود حدیث کا مختلف ہونا احادیث سے مستنبط شدہ احکامات پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور اسباب بدل جانے کی وجہ سے اس حدیث پر لگائے گئے احکامات میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

سبب ورود حدیث کی تعریف

جس طرح آیات کا شان نزول ہوتا ہے جو بتلاتی ہیں کہ آیات اس مذکورہ واقعے، مذکورہ شخص یا اس مذکورہ حالت کے متعلق نازل ہوئی ایسے ہی احادیث کے بھی اسباب ورود ہوا کرتے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مذکورہ فلاں شخص، فلاں واقعہ یا فلاں مخصوص حالت کے موقع پر ارشاد فرمایا گیا۔ سبب ورود حدیث کے حوالے سے علماء سے کوئی باقاعدہ تعریف منقول نہیں۔ غالبا اس کی وجہ یہی ہوگی کہ انہوں نے اس کے واضح ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف بیان نہیں کی۔ معاصرین علماء میں سے چند علماء نے اس کی تعریف بیان کی ہے چنانچہ ڈاکٹر ابو شہبہ نے یہ تعریف کی:

"هو علم يبحث فيه عن الأسباب الداعية إلى ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم أولا، وهذا السبب قد يكون سؤالا، وقد تكون حادثة، وقد تكون قصة، فيقول النبي صلى الله عليه وسلم الحديث بسببه أو بسببها[1]"

ترجمہ: "یہ وہ علم ہے جس میں ان اسباب کے بارے میں بحث کی جاتی ہے جو ابتدائی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کے وجود میں آنے کا باعث بنے۔ یہ سبب کبھی کوئی سوال ہوتا ہے اور کبھی کوئی واقعہ ہوتا ہے اور کبھی کوئی قصہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کلمات ارشاد فرماتے ہیں"۔

سبب ورود اور سبب ذکر میں فرق

ماقبل میں سبب ورود کی بات کی گئی تھی۔ سبب ورود اور سبب ذکر میں فرق جاننے سے قبل دونوں کی تعریف سمجھ لینا ضروری ہے۔ سبب ورود کی تعریف تو ماقبل میں بیان کی گئی، سبب ذکر کی تعریف ملاحظہ فرمائیں۔

سبب ذکر: سبب ذکر یہ ہے کہ کوئی واقعہ پیش آیا یا کسی نے کوئی سوال پوچھا اور اس پر صحابی رسول نے کوئی حدیث بیان کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں یہ فرمایا ہے۔ اب یہ واقعہ یا یہ سوال سبب ورود حدیث نہیں بلکہ سبب ذکر کہلائے گا۔ جیسا کہ ڈاکٹر ابو شہبہ نے لکھا:

"والحق أن سبب الورود إنما يراد به السبب الذي بسببه قال النبي -صلى الله عليه وسلم- الحديث، أما ذكر الصحابي للحديث فيما بعد ليستدل به في مناسبة من المناسبات فإنه لا يسمى سبب ورود وإنما يسمى: "سبب ذكر" فنقول مثلا: والسبب في ذكر الصحابي رضي الله عنه الحديث هو كذا[2]"

اس سے سبب ورود حدیث اور سبب ذکر کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے کہ سبب ورود حدیث تو وہ واقعہ یا سوال یا وہ کیفیت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آئی اور اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات

ارشاد فرمائے، جبکہ سبب ذکر یہ ہے کہ کسی صحابی کے سامنے کوئی چیز پیش آئی اور اس پر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنایا۔

مثال کے طور پر حضور ﷺ کا یہ قول

" إنما فاطمة بضعة مني يؤذيني ما آذاها وينصبني ما أنصبها[3]"

ترجمہ: "فاطمہ میرا ایک حصہ ہے، مجھے بھی وہ چیز تکلیف دیتی ہے جو اسے تکلیف دیتی ہے"۔

اس کا سبب ورود تو وہ واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت فاطمہ کو اس سے دکھ پہنچا۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

اور مرور ایام کے بعد جب اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ واپس آئے تو مشہور تابعی مسور بن مخرمہ نے یہی حدیث سنا کر انہیں تسلی دی، اور تعزیت کی۔ یہ اس حدیث کا سبب ذکر کہلائے گا۔

سبب ورود حدیث کی شرائط

سبب ورود حدیث کی شرائط کے حوالے سے صراحتا علماء کی کوئی بات نہیں ملتی، لیکن آیات کے شان نزول کی شرائط واصول اور احادیث کے لیے وضع کیے گئے اصولوں کو دیکھ کر اور اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتب کو دیکھ کر چند شرائط کا پتہ چلتا ہے جو سبب ورود حدیث کے لیے ضروری ہیں۔

ناقل صحابی ہو:

پہلی شرط یہ ہے کہ ناقل صحابی ہو۔ اگر نقل کرنے والا صحابہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو اس چیز کو سبب ورود حدیث شمار نہیں کیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے دیگر علماء کے اجتہادات اور ان کی اپنی آراء اس سے خارج ہو جاتی ہیں اس لیے کہ سبب ورود حدیث وہی چیز قرار پائی جاسکتی ہیں جس کے ناقل کا تعلق خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہو اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام نے قرآن کریم کا نزول ہوتے دیکھا، اور رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی اور واقعات سے وہ واقف تھے۔ حضور ﷺ کے انداز کو وہ پہچانتے تھے، اور موقع محل کو سمجھتے تھے، اسی لیے انہیں کی بات اس حوالے سے معتبر ہے۔ ڈاکٹر ابوشہبہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

" وقد علم بما قرره أن من الأسباب ما يكون بعد عصر النبوة كما في أحاديث ذكروا أسباب ورودها عن الصحابة رضي الله عنهم، وقد نظر بعض المتأخرين في ذلك ولكن ذكرها أولى، لأن فيها بيان السبب في الجملة فإن الصحابة رضي الله عنهم حفظوا الأقوال، والأفعال، وحافظوا على الأطوار والحوال, فيكون السبب في الورود عنهم مبينا لما لم يعلم سببه عن النبي صلى الله عليه وسلم[4]"۔

ترجمہ: " ما قبل کی بات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سبب ورود حدیث وہی ہو گا جو نبوت کے زمانے میں ہو، جیسا کہ وہ احادیث جو صحابہ سے وارد ہیں۔ بعض متاخرین نے اس میں اعتراض کیا ہے، لیکن صحیح یہی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال کو یاد کیا اور آپ کی عادات کا بھی مشاہدہ کیا۔ لہذا اسبب ورود وہی ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام بیان فرمائیں، جب تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سبب کی تعلیم نہ دیں"۔

واقعہ دور نبوی کا ہو:

ما قبل میں بیان کی گئی شرط سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ وہ واقعہ یا وہ سوال جو سبب ورود حدیث شمار کیا گیا ہے وہ دور نبوی ﷺ کا ہونا ضروری ہے۔ اس شرط سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وہ اجتہادات اور استدلالات نکل جائیں گے جو انہوں نے بعد میں کسی حدیث سے کیے، یا وہ سوالات جو بعد میں ان سے کیے گئے اور انہوں نے احادیث سنائیں۔

صحیح سند سے ثابت ہو:

ایک شرط سبب ورود حدیث کے لیے یہ بھی ہے کہ وہ صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہو، اگر روایت صحیح نہ ہو یا اسناد میں کچھ خرابی ہو تو اس وجہ سے بھی اسے سبب ورود حدیث قرار نہیں دیا جائے گا۔ یہ ایک عام شرط ہے جو منقولات کے حوالے سے ہر جزء کو شامل ہے۔

سبب ورود حدیث کی موجودگی

یہ بات واضح رہے کہ ہر حدیث کے لیے سبب ورود ہونا ضروری نہیں بلکہ بیشتر احادیث ایسی ہیں جن کا سبب ورود نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہر آیت کے لیے شان نزول ہونا ضروری نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق کچھ ارشاد فرمایا جو حدیث کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ان کو بیان کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کا انتظار نہیں فرمایا جیسا کہ نماز کے مسائل سے متعلق احادیث، یا اور دیگر احادیث الاحکام وغیرہ ان میں سے اکثر احادیث کا سبب ورود نہیں ہے۔ جبکہ بعض احادیث جو کسی مخصوص حالت کی طرف نشاندہی کرتی ہیں اور وہ کسی مخصوص واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کلمات ارشاد فرمائے صرف انہی احادیث میں سبب ورود حدیث موجود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ احادیث جو کسی چیز کی حلت یا حرمت کے متعلق یا اس کی صفات اور کیفیات کے حوالے سے بیان ہوئی ہیں، یا جہنم اور جنت کے تذکرے، اور آخرت، حشر، موت اور مرنے کے بعد کے متعلق جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان میں سے کئی ایسی ہیں جن کا سبب ورود نہیں۔ اس بات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہر حدیث کا سبب ورود ہونا ضروری بھی نہیں اور اسے تلاش کرنا اور جان بوجھ کر بتکلف کسی چیز کو اس حدیث کا سبب ورود قرار دینا یہ بھی درست نہیں۔

سبب ورود حدیث کی اہمیت

سبب ورود حدیث کی اہمیت احادیث کے میدان میں ویسی ہی ہے جیسا کہ تفسیر کے میدان میں شان نزول کی حیثیت ہے۔ جس طریقے سے آیات کو سمجھنے کے لیے اور ان سے مسائل نکالنے کے لیے شان نزول کا معلوم ہونا نہایت ضروری ہے، ایسے ہی احادیث کو سمجھنے ان پر ہونے والے اعتراضات کا جوابات دینے اور ان سے مسائل کا استخراج کرنے کے لیے سبب ورود کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

اس کی مثال ایک حدیث سے سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله، ومن كانت هجرته لدنيا يصيبها، أو امرأة يتزوجها، فهجرته إلى ما هاجر إليه"[5]

ترجمہ: " بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی چیز ہے جس نے اس کی نیت کی۔ پس جس نے ہجرت کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہو گی اور جس کی ہجرت دنیا

کے لیے تھی کہ اسے پالے، یا کسی خاتون کے لیے تھی کہ اس سے شادی کرلے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہو گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی"۔

مذکورہ حدیث ایک مخصوص واقعہ کے بعد وجود میں آئی، کہ جب ہجرت مدینہ کے موقع پر صحابہ کرام نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور ایک صحابی نے ایک خاتون سے نکاح کرنے کے لیے مدینہ کا سفر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً یہ بات ارشاد فرمائی کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی نیت کے اعتبار سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہجرت شمار ہو گی اور وہی اس کا اجر دیں گے، اور جس نے ہجرت کسی دنیاوی فائدے کے لیے کی، یا کسی خاتون سے نکاح کی خاطر کی تو اس نے اسی چیز کی طرف ہجرت کی جس چیز کا اس نے ارادہ کیا لہٰذا اس ثواب کا کوئی حصہ اسے نہیں ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اب اگر یہ واقعہ ہمیں معلوم نہ ہوتا اور اس حدیث کا سبب ورود ہمیں معلوم نہ ہوتا تو اس میں مشکل پیش آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتون سے نکاح کرنے کی بات ذکر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی، لیکن سبب ورود کے معلوم ہونے سے اس جملے کے اضافے کی وجہ معلوم ہوئی۔ لہٰذا احادیث کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے سبب ورود حدیث کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

اسباب ورود حدیث کے فوائد

اسباب ورود حدیث کے کئی فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ تو ابھی ذکر کیا گیا کہ اس سے حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

احکام کی حکمت کا معلوم ہونا:

اسباب ورود حدیث کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے احکام کی حکمت معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن حالات میں اور کیوں ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حدیث" إن الماء طهور لا ينجسه شيء[6]"، کہ "پانی پاک ہے، اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی"، مطلقاً پانی کے ناپاک نہ ہونے کو بتاتی ہے، لیکن سبب ورود سے اس حکم کی حکمت سمجھ آتی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ سے بئر بضاعۃ کے متعلق کہا گیا کہ آپ اس سے وضو فرماتے ہیں جبکہ بئر بضاعۃ میں تو گندگی ہوتی ہے اور جانور بھی اس پر آتے ہیں۔ چونکہ بئر مضاعۃ جاری کنواں تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم عام پانی کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس حکم کا تعلق بئر بضاعۃ کے ساتھ ہی ہے۔

درست مفہوم کی طرف رہنمائی:

ایسے ہی بسا اوقات بغیر سبب ورود کے معلوم کیے حدیث کا صحیح مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر سبب ورود سامنے نہ ہو تو انسان اس حدیث کا بالکل غلط مطلب سمجھ سکتا ہے، جیسے حضور ﷺ کا یہ قول:"لا ضرر ولا ضرار[7]"۔ اب مذکورہ حدیث کا مطلب اور صحیح مفہوم سبب ورود حدیث کے معلوم کیے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔

الفاظ کا صحیح معنیٰ:

بسا اوقات احادیث مبارکہ میں ایسے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں جن کا سبب ورود سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور اگر ان کا صحیح پس منظر معلوم نہ ہو تو وہ الفاظ بے فائدہ اور بسا اوقات بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غیر مناسب بات منسوب ہونے کا

شبہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے حدیث" الماء من الماء"، کہ "بیشک پانی پانی سے ہے[8]"۔ اب مذکورہ حدیث کے الفاظ دیکھ کر مکمل بات سمجھ میں نہیں آتی جب تک کہ سبب ورود حدیث موجود نہ ہو۔

تخصیص:

اسباب ورود حدیث کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے حکم کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ ان حضرات کے نزدیک شمار کیا جائے گا جو احکام کا اعتبار کسی سبب کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اور یہ مانتے ہیں کہ احکام کا اعتبار عموم کے اعتبار سے نہیں بلکہ کسی خاص سبب کے اعتبار سے ہے۔ لہذا ان حضرات کے ہاں سبب ورود حدیث کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

دو سبب ورود حدیث:

بسا اوقات ایک حدیث کے لیے ایک سے زائد سبب ورود حدیث بیان کیے جاتے ہیں، یا روایات کے طرق مختلف ہونے کی وجہ سے سبب ورود حدیث مختلف ذکر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دونوں کے درمیان ترجیح کی جائے گی اور مناسب وجہ سے کسی ایک کو ہی راجح قرار دیا جائے گا۔

فقہی احکام پر سبب ورود حدیث کا اثر:

یہ بات ماقبل میں بیان کی گئی کہ سبب ورود حدیث کے مختلف ہونے سے فقہی احکام میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی کئی صورتوں میں واقع ہوتی ہے جیسے: عام حکم کو خاص کرنے کے حوالے سے، مطلق حکم کو مقید کرنے کے حوالے سے، ناسخ اور منسوخ کی معرفت کے حوالے سے، کسی حکم کی علت کو محدود کر دینے کے حوالے سے، یا مجمل چیز کے بیان کے حوالے سے۔
ان تمام حوالوں سے سبب ورود حدیث کے اختلاف سے فقہی احکام پر اثر پڑتا ہے۔ ذیل میں مثالوں کے ساتھ ان احکام کو بیان کیا جاتا ہے۔

عام حکم کو خاص کرنا:

تخصیص کے لغوی معنی کسی چیز کو خاص کرنے کے آتے ہیں، اور اصطلاح میں کسی عام حکم کو اس کے بعض اجزاء پر سے ہٹا دینے، یا مخصوص اجزاء کو اس عام حکم سے نکالنے کو تخصیص کہا جاتا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں کثرت کے ساتھ ہی یہ بات ذکر ہے کہ کسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی حکم دیا، اور وہ حکم اپنے الفاظ میں عام تھا، لیکن حالات اور واقعات کے تناظر کو مد نظر رکھتے ہوئے، اور سبب ورود حدیث کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے اس عام حکم میں تخصیص کی، اور اسے مخصوص حالات کے لیے خاص کر دیا۔ ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔
آپ ﷺ نے فرمایا:

"تسموا باسمي ولا تكتنوا بكنيتي[9]"

کہ "میرے نام پر اپنا نام رکھو، لیکن میری کنیت کی طرح اپنی کنیت نہ رکھو"۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً اپنی کنیت کی طرح کنیت نہ رکھنے کا حکم دیا، لیکن یہ حکم اپنے عام پر باقی ہے، یا حالات اور واقعات بدلنے کی صورت میں اس میں کوئی تخصیص ہوئی ہے، اس حوالے سے علامہ نوویؒ اپنی کتاب "الاذکار" میں فرماتے ہیں:

"اختلف العلماء في التكني بأبي القاسم: فذهب الشافعي رحمه الله ومن وافقه إلى أنه لا يحل لأحد أن يتكنى أبا القاسم، وقال مالك رحمه الله: أنه يجوز التكني بأبي القاسم لمن اسمه محمد ولغيره، ويجعل النهي خاصا بحياة رسول الله صلى الله عليه وسلم[10]"

ترجمہ:" ابو القاسم کنیت رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ کسی ایک کے لیے بھی ابو القاسم کنیت رکھنا جائز نہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ابو القاسم کنیت رکھنا صحیح ہے اور وہ اس نہیں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ خاص کرتے ہیں"۔

اس حدیث کا سبب ورود یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار میں تھے اور کسی صحابی نے پیچھے سے ابو القاسم کہہ کر آواز دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو مخاطب کرنا میرا مقصد نہ تھا، میں کسی اور کو بلا رہا تھا۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

ایک اور سبب جو اس حدیث کا مشہور ہے کہ یہود اپنی کنیت ابو القاسم کے نام سے رکھا کرتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کی خاطر ایک دوسرے کو یا ابا القاسم کہہ کر آواز لگایا کرتے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اور مسلک یہ ہے کہ یہ حدیث ان مذکورہ حالات کی وجہ سے وجود میں آئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کے تناظر میں یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ چنانچہ اب جب یہ معنی اور یہ حالات نہ رہے تو وہ وجہ بھی ختم ہو گئی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صادر فرمایا، نیز یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے ائمہ اور علماء اس کنیت پر کنیت رکھتے آئے ہیں۔

اس کی ایک مثال ما قبل میں بھی بیان کی گئی کہ پانی کے نجس نا ہونے کا حکم جس حدیث میں آیا ہے، اس میں عمومی طور پر تمام پانی مراد نہیں ہیں، بلکہ سبب ورود حدیث یہ بتلاتا ہے کہ وہ حکم صرف بئر بضاعۃ کے متعلق تھا، ورنہ تو دنیا کا کوئی پانی نجس نہ ہو۔

مطلق حکم کو مقید کرنا:

بسا اوقات سبب ورود حدیث کی وجہ سے حدیث پر ایک مطلق حکم لگتا ہے، جبکہ دیگر ائمہ سبب ورود حدیث مختلف ہونے کی وجہ سے اس پر مختلف حکم لگاتے ہیں اور اسے مطلق سے مقید کر دیتے ہیں۔ جیسے وہ روایت جسے ابو داود نے نقل کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"أن رجلا أفطر فى رمضان فأمره رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أن يعتق رقبة أو يصوم شهرين متتابعين أو يطعم ستين مسكينا. قال لا أجد. فقال له رسول الله -صلى الله عليه وسلم- « اجلس ». فأتى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- بعرق فيه تمر فقال « خذ هذا فتصدق به ». فقال يا رسول الله ما أحد أحوج منى. فضحك رسول الله -صلى الله عليه وسلم- حتى بدت أنيابه وقال له كله[11]"

ترجمہ:" ایک شخص نے رمضان میں ایک روزہ افطار کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا: "کہ وہ ایک غلام آزاد کرے، یا پھر دو پے در پہ مہینوں کے روزے رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے"۔ تو انہوں نے کہا: کہ میں تو اس چیز کو نہیں پاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "بیٹھ جاؤ"۔ اتنے میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس کھجوروں سے بھرا ایک تھال آیا، آپ نے ان سے فرمایا: "یہ لے لو اور اس سے صدقہ کرو"۔ انہوں نے کہا کہ: اے اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے سے زیادہ کسی کو محتاج نہیں پاتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کی داڑھ مبارک ظاہر ہوئی۔ اور آپ نے فرمایا کہ: "اسے تم خود ہی کھالو"۔

اب یہاں روزہ افطار کرنے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس کفارے کے حکم کے لیے سبب ورود صحابی کا روزہ افطار کرنا ہے، لیکن چونکہ یہاں پر سبب ورود مطلق ہے اس لیے علماء نے یہ حکم مستنبط کیا کہ جو کوئی شخص رمضان میں روزہ افطار کرلے، یا دوسرے معنوں میں روزہ توڑ دے تو وہ کفارہ ادا کرے گا۔ اور کفارہ ادا کرنے کی صورتیں یہ ہوں گی کہ غلام آزاد کرے، یا ساٹھ پے در پے روزے رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو اس کے مطلق پر محمول رکھا، اور کفارے کے مطلق روزہ توڑنے کو سبب قرار دیا، چنانچہ کوئی شخص اگر روزہ توڑ دے، خواہ کھانے پینے کے ذریعے یا جماع کے ذریعے، تو دونوں صورتوں میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہی حکم ہو گا۔[12]

جبکہ امام شافعیؒ نے حدیث کے ایک اور طریق کو سامنے رکھتے ہوئے اس کفارے کے حکم کو مقید قرار دیا، چنانچہ انہوں نے اس طریق کو سامنے رکھا، جسے امام دارمیؒ نے سنن دارمی میں ذکر کیا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن حميد بن عبد الرحمن عن أبي هريرة قال : أتى رسول الله صلى الله عليه و سلم رجل فقال هلكت فقال وما أهلكك قال واقعت امرأتي في شهر رمضان[13]"۔

ترجمہ:" حمید بن عبد الرحمن ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: کہ اللہ کے رسول میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ: "کس چیز نے تجھے ہلاک کیا؟"۔ تو اس نے کہا: کہ میں نے اپنی بیوی سے رمضان کے مہینے میں جماع کیا ہے"۔ بقایا حدیث کے الفاظ وہی ہیں، جو اوپر روایت میں بیان ہوئے، اس طرق میں صرف ایک جملہ کا اضافہ ہے کہ "میں نے اپنی بیوی سے جماع کیا ہے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ قضاء اور کفارہ کا مذکورہ حکم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ اس شخص کے بارے میں ہے جس نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کیا، اور یہ مطلق حکم نہیں بلکہ اسی شخص کے ساتھ مقید ہے[14]

ناسخ اور منسوخ کی پہچان:

"نسخ" کے لغوی معنی زائل ہونے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نسخ کہتے ہیں: کسی حکم شرعی کا دوسرے متاخر حکم شرعی کے ذریعے ختم ہو جانا نسخ کہلاتا ہے۔ سبب ورود حدیث کی وجہ سے ناسخ اور منسوخ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں آپ ﷺ نے ایک حکم دیا، اور بعد میں کسی دوسری حدیث کے سبب ورود سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا والا حکم منسوخ ہو گیا۔

جیسے یہ حدیث "أفطر الحاجم والمحجوم[15]"، کہ پچھنہ لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا"۔ اس حدیث میں صراحتاً یہ بات مذکور ہے کہ پچھنہ کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، خواہ لگانے والا ہو یا لگوانے والا۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث کے سبب ورود کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت "أن رسول الله احتجم محرما صائما" سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ روایت منسوخ ہے[16]۔

حکم کی علت کو محدود کرنا:

سبب ورود حدیث کسی حکم شرعی کی علت کو مخصوص اور محدود کرنے کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض احکام شرعیہ وہ ہوتے ہیں جو انسان عقل سے ماوراہوتے ہیں جنہیں امر تعبدی کہا جاتا ہے اور ان پر عمل انسانوں کی آزمائش کے لیے ہوتا ہے، جبکہ بعض احکام شرعیہ وہ ہوتے ہیں جو انسان کی عقل میں سماسکتے ہیں جنہیں احکام معقولہ کہا جاتا ہے۔ ان احکام معقولہ کی کوئی نہ کوئی وجہ اور علت ہوتی ہے جو بسا اوقات نص صریح سے یا آیات اور احادیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہو جاتی ہیں اور پھر علماء اسی علت کو مدار بنا کر اسی حکم کو دیگر صورتوں پر بھی لاگو کرتے ہیں۔ کسی حکم کی علت کو مختص کرنے میں فقہاء کا اختلاف ایک عام بات ہے اور کئی احکامات ایسے ہیں کہ مختلف فقہاء نے غور وفکر کر کے ان کی علت مختلف بتلائی ہے، یہی وجہ ہے کہ علت کے مختلف ہونے کی وجہ سے احکامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ سبب ورود حدیث کے ذریعے ہمیں کسی حکم شرعی کی علت کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ اس حکم کی کیا علت ہے۔ جب کسی حکم کی علت واضح طور پر معلوم ہو جائے تو وہی چیز اس حکم کی علت قرار دی جاتی ہے اور وہ حکم اسی علت کی موجودگی میں لاگو ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر وہ اعرابی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور رمضان کے مہینے میں اپنی بیوی سے جماع کرنے کے بارے میں بتلایا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روزے کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا اور اس کی تفصیل بھی بتلائی۔

اب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفارے کی تفصیل کو بتلانا اس واقعے کی وجہ سے ہے جو اعرابی کے ساتھ پیش آیا اور وہ تھا رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے جماع کرنا، لہذا یہی چیز اس حکم کی علت قرار دی جائے گی۔

خلاصہ البحث:

سبب ورود حدیث کی معرفت ایک اہم چیز ہے، جس سے واقفیت علم حدیث سے تعلق رکھنے والے شخص کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس سے اعتناء اور واقفیت اسباب نزول آیات سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ کلام اللہ تو آیات میں محصور ہے، اور لفظا اور معنا تواتر کے ساتھ ہم تک منقول بھی ہے، جبکہ احادیث کی تعداد زیادہ ہے اور احادیث کا سارا ذخیرہ تواتر سے منقول بھی نہیں۔ یہ بات بھی قابل غور رہنی چاہیئے کہ سبب کے بدلنے سے احکامات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ مجتہدین علماء ہر حدیث سے احکام مستنبط کرنے سے پہلے اس کے حالات کو دیکھتے ہیں کہ وہ حدیث کن حالات اور کن واقعات کے تناظر میں نازل ہوئی، اور ان تمام چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے پھر اس پر حکم لگاتے ہیں۔

حاصل تحقیق

- مذکورہ تحقیق کے دوران یہ باتیں سامنے آئیں کہ علم سبب ورود حدیث ایک انتہائی اہمیت کا حامل علم ہے، جس سے ناواقفیت معمولی بات نہیں۔ اس فن کی قدیم ترین کتاب چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی جو کہ آج کے دور میں ناپید ہے۔
- سب سے زیادہ متداول کتاب جو آج کے زمانے میں ہمارے ہاں موجود ہے وہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی ہے۔
- اسباب ورود حدیث فقہاء کے اختلاف پر اثر انداز ہوتے ہیں لہذا ایک مستنبط کے لیے اسباب ورود حدیث سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔
- اسباب ورود حدیث کا اثر مطلق حکم کو مقید کرنے ناسخ منسوخ کا معلوم کرنے اور علت کو متعین کرنے میں ہوتا ہے۔

تجاویز وسفارشات

- اس فن میں تصنیفات اس کی اہمیت کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔ جو اس بات کی متقاضی ہیں کہ اس پر تفصیل سے لکھا جائے۔
- علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب بھی ایک حد تک فائدہ مند ہے اور اس میں بھی تمام احادیث اور ان کے اسباب ورود کا احاطہ نہیں کیا گیا، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسی تصنیف وجود میں لائی جائے جس میں تمام احادیث کے اسباب ورود جمع ہوں۔
- اختلاف فقہاء پر اسباب ورود حدیث کے جو اثرات بیان کیے گئے وہ انتہائی کم ہیں، مزید غور وخوض کرنے سے مزید اثرات واضح ہوں گے۔
- اسباب ورود حدیث سے کئی فقہی قواعد بھی مستنبط ہوتے ہیں، ان قواعد کو بھی یکجا جمع کیا جائے۔

حوالہ جات وحواشی

[1]ابو شہبہ، محمد بن محمد بن سویلم، الوسیط فی مصطلح علوم الحدیث،(بیروت: دار الفکر)، ص: 467۔

[2]ابو شہبہ، محمد بن محمد بن سویلم، الوسیط فی مصطلح علوم الحدیث، (بیروت: دار الفکر) ص 468۔

[3]الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل فاطمۃ، (بیروت: دار الغرب الاسلامی) رقم الحدیث: 3869۔

[4] ابو شہبہ، محمد بن محمد بن سویلم، الوسیط فی مصطلح علوم الحدیث، (بیروت : دار الفکر) ص: 468۔

[5] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فیما عنی بہ الطلاق، (بیروت:دار الکتاب العربی) رقم الحدیث: 2203۔

[6] الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، ابواب الطہارۃ، (بیروت: دار الغرب الاسلامی) رقم الحدیث: 66۔

[7] الشیبانی، احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، ذکر مسند بنی ہاشم،(قاہرۃ : دار الحدیث) رقم الحدیث: 2867۔

[8] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الطہارۃ، باب الاکسال،(بیروت: دار الکتاب العربی) رقم الحدیث: 217۔

[9] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی، (دار طوق النجاۃ، طبعۃ اولیٰ1422ھ)، رقم الحدیث: 110، 33/1۔

[10] النووی، یحیٰ بن شرف، الاذکار،(لبنان : دار الفکر، طبعۃ جدیدہ1414ھ)ص: 295۔

[11] السجستانی، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داود، کتاب الصوم، باب کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان،(بیروت: دار الکتاب العربی) رقم الحدیث: 2394۔

[12] المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ شرح بدایۃ المبتدی،کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ، (کراچی: مکتبۃ البشریٰ)، 346/1۔

[13] الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب فی الذی یقع علی امراتہ فی شہر رمضان، (بیروت: دار الکتاب العربی 1407ھ) رقم الحدیث: 1716۔

[14] الماوردی، علی بن محمد ، الحاوی فی فقہ الشافعی، (بیروت: دار اللکتب العلمیۃ، 1414ھ)، 424/3۔

[15]الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب کراہیۃ الحجامۃ للصائم، (بیروت: دار الغرب الاسلامی)، رقم الحدیث: 774۔

[16] الشافعی، محمد بن ادریس، اختلاف الحدیث، باب نکاح المحرم، (بیروت: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، 1405ھ)، ص 530۔